ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

ناول "تلاش بہاراں" از جمیلہ ہاشمی: تانیثی مطالعہ

FEMINIST STUDY OF JAMEELA HASHMI'S NOVEL "TALASH-I-BAHARAN"

Dr Sumaira Akbar, Dr Muhamamd Hafeez , Dr Abdul Aziz Malik

*Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
**Visiting Lecturer, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
***Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad

ABSTRACT

Jameela Hashmi is an important and prominent Urdu Fiction writer. Her first short story "Laal Aandhi was published in 1957. Her famous Novel "Talash-i-Baharan" was published in 1961. This novel was also awarded with the Adam Ji Literary Award. The Main theme of this Novel is women and their rights. In this novel the Inferior status of Indian women, their social explorations and oppression is depicted in very impressive way. The main character of the novel is Kanwal Kumari Thakur, is an ideal character, through which the Indian woman dreams of freedom, independence and greatness. In this novel, instead of forcing her ideas on the reader, the novelist has placed the ideas of both the feminists and the anti-feminist in front of the reader and left the decision to them.

Keywords: *Jameela Hashmi, Talash-i- baharn, Urdu, Novel, Feminist, Kanwal Kumari, Women rights*

جمیلہ ہاشمی(1929–1988) اُردو کی ایک اہم ناول نگار ہیں، وہ 17 نومبر 1929 کو گوجرہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کا خاندان امرتسر میں مقیم تھا، گوجرہ میں ان کا ننھیال تھا۔ ان کے والد برکت علی ہاشمی کپڑے کے تاجر تھے اور والدہ فضل النسا، گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر میں ہیڈ مسٹریس تھی۔ جمیلہ نے ابتدائی تعلیم امرتسر سے حاصل کی۔ تقسیم ہند کے بعد ان کا خاندان ہجرت کر کے امرتسر سے منٹگمری (ساہیوال) میں آباد ہو گیا۔ انہوں نے انگریزی زبان و ادبیات میں ایم ایف سی کالج سے کیا۔ بعد ازاں تدریس سے وابستہ ہو گئیں، وہ اسلامیہ ہائی سکول، ساہیوال میں ہیڈ مسٹریس رہیں۔ ان کی شادی خانقاہ شریف کے سجادہ نشین اور رکن صوبائی اسمبلی سردار اویس احمد اویسی سے ہوئی۔ ان کی اولاد میں ایک بیٹی عائشہ صدیقہ ہیں۔

جمیلہ ہاشمی نے ادبی زندگی کا آغاز کہانیوں سے کیا، ان کا پہلا افسانہ "لال آندھی "1957 میں رسالہ "لیل و نہار" میں شائع ہوا۔ ان کا ناول "تلاش بہاراں" 1961 میں شائع ہوا۔ اس ناول کی بہت پذیرائی ہوئی، اسے سال کا بہترین ناول قرار دیا گیا، اس ناول کو آدم جی ادبی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ ان کے دیگر ناولوں میں "داغِ فراق"، "آتشِ رفتہ"، "روہی"، "چہرہ بہ چہرہ روبہ رو"، "لہورنگ"، "آہوئے آوارہ" اور "دشتِ سُوس" شامل ہیں۔

ناول "تلاش بہاراں" کا بنیادی موضوع عورت ہے۔ اس ناول میں ہندوستانی عورت کی کمتر حیثیت، استحصال زدہ اور مظلوم تصویریں جابجا بکھری پڑی ہیں۔ ناول کا مرکزی کردار کنول کماری ٹھاکر ہے، یہ ایک مثالی کردار ہے، جس کے ذریعے ہندوستانی عورت کو آزادی، خود مختاری اور عظمت کا خواب دکھایا گیا ہے۔ اس طرح کے آئیڈیل کردار اُردو فکشن میں پہلے بھی تراشے گئے، لیکن یہ کردار اس لحاظ سے تھوڑا مختلف ہے کہ یہ مجموعہ صفات ہے اور بشری خامیوں سے مبرّا ہے، اس لیے اس پر دیوی کا گمان ہوتا ہے، بلکہ کئی مرتبہ ناول میں اسے دیوی کہا گیا ہے۔ ناول کا راوی، کنول کماری ٹھاکر کا تعارف کچھ ان الفاظ میں کراتا ہے:

> "کنول کو پہلے پہل میں نے ایک غیر ملکی وفد سے ملاقات کرتے ہوئے عورتوں کی نمائندہ کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ اس کی باتوں میں بڑی متانت اور ہنسی میں بڑی مٹھاس تھی۔ اس کی پیشانی پر وہ نور تھا جس کو الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں، جس

کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے اور گہری پر وقار آواز اس کی کم عمری کے باوجود موثر تھی۔ پھر اس کا لفظوں پر زور دینے اور اپنی بات منوانے کا انداز، فیصلہ کن سی باتیں، میں اسی پہلی ملاقات میں ہی اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔"(1)

عقیلہ جاوید اپنی تصنیف "اردو ناول میں تانیثیت" میں کنول کماری کے کردار کے بارے میں لکھتی ہیں:

"جنس مخالف کی طرف مائل ہونا، انسان کی بنیادی جبلت ہے۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو دھوکا کھا بھی ختم نہیں ہوتا۔ البتہ انسان محتاط ضرور ہو جاتا ہے۔ یہ جذبہ "تلاش بہاراں" میں عورت کے حوالے سے ناپید ہے۔ یہاں عورت نسائی اوصاف کے منتہائے کمال کا ایک مثالی مجسمہ ہے۔"(2)

اس ناول کو زمان و مکان بیسویں صدی کا ہندوستان ہے، جہاں خواتین کی حالت زار نہایت قابل رحم ہے، اسے بنیادی انسانی حقوق بھی میسر نہیں۔ کنول کماری حقوق نسواں کی علم بردار ہے۔ وہ خواتین کے حقوق کے لیے لکھتی ہے، بولتی ہے آواز اُٹھاتی ہے، جلسوں میں تقاریر کرتی ہے۔ وہ اعلی تعلیم یافتہ اور بلا کی پُر اعتماد ہے، کبھی مظلوم خواتین کے مقدمے لڑتی نظر آتی ہے، کبھی غیر ملکی وفود سے ملاقات کرتی۔ وہ روایتی نسوانیت سے بھرپور، ڈرپوک، ڈری سہمی خواتین سے بالکل مختلف ہے۔ پسند کی شادی کرنے والے روبندر کمار اور کرشنا بوس کی علیحدگی پر اس کے مقدمے کی پیروی کرتے ہوئے برہمن ذات کے روبندراور اس کے والد کنول کو چپ کرانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ وہ کنول کماری کے بارے میں کہتے ہیں:

"بھئی یہ تو معمولی بات ہے۔ ہم کسی کو اس کے پاس بھیجیں گے۔ اگر مانے گی اس کے حق میں بہتر ہو گا۔ اگر نہ مانے گی تو ہمارا کیا جاتا ہے ایک معمولی عورت ہے نا۔ ہمارے آدمی اس کو گم کر سکتے ہیں، اس کا منہ بند کر سکتے ہیں۔"(3)

روبندر کا والد ہندوستانی سماج کے اونچے طبقے کے مردوں کے نمائندہ ہیں جو عورت کو اپنے پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کنول کو ڈرانے دھمکانے کی پوری کوشش کی لیکن وہ کرشنا کے مقدمے کی پیروی سے باز نہ آئی۔ ناول نگار اس کردار کے ذریعے خواتین کو نڈر، بہادر اور اعلی مقصد کے حصول کے لیے ڈٹ جانے کی ترغیب دیتی ہیں جو بظاہر فطرت سے ماورا نظر آتی ہے، اسی طرح ایک عورت کا تمام عمر صنفِ مخالف کے جانب متوجہ نہ ہونا بھی فطرت کے خلاف لگتا ہے۔ کنول کماری کے نظریات، خیالات اور شخصیت کے سحر کی وجہ سے کئی مرد اس سے متاثر ہیں، اسے پسند کرتے ہیں، لیکن کنول کماری کبھی کسی مرد کی طرف مائل نہیں ہوتی کبھی وہ اس معاملے میں بہت زیادہ محتاط ہے کہ لوگ اس کے کردار پر انگلی نہ اٹھائیں۔ جب رادھے کرشن اس سے بات کرنے کے لیے اسے اپنے گھر بلاتا ہے تو وہ خود جانے کی بجائے ناول کے راوی کو وہاں بھیجتی ہے کہ رادھے کرشن کی بات سن کر آئیں۔ ان مقامات پر کنول کماری ایک مقدس دیوی سمان ہی دکھائی دیتی ہے۔ وہ بے آسرا خواتین کے لیے ایک نادار گھر بھی کھولتی ہے، جس میں سماج کی ستائی ہوئی عورتیں عزت کے ساتھ رہ سکتی ہیں۔

"تلاش بہاراں" میں ایک اچھی بات یہ بھی نظر آتی ہے کہ ناول نگار اپنے نظریات کو قاری پر ٹھونسنے کی بجائے، حقوق نسواں کے علمبرداروں اور مخالفین دونوں کے نظریات قاری کے سامنے رکھ دیئے ہیں اور فیصلہ پڑھنے والے پر چھوڑ دیا ہے۔ ناول میں کنول کماری کے مقابلے میں ایک اور بڑا اہم کردار شوبھا بنیر جی کا بھی ہے۔ شوبھا بنیر جی ایک صحافی خاتون ہے جو ایک اخبار میں خواتین کا صفحہ ایڈٹ کرتی ہے۔ وہ ایک باعزت، پڑھی لکھی اور آزادی نسواں کے خلاف عورت تھی، مردوزن کے برابر حقوق کی بجائے خواتین کو مردوں کا ماتحت رکھنے کے حق میں تھی، کنول کماری اور اس کی تنظیم کی مخالف تھی، اسی لیے مردوں کی اکثریت کی پسندیدہ تھی۔ ناول نگار اس کا تعارف کچھ یوں کراتی ہیں:

"شوبھا بینر جی پڑھی لکھی اور ڈگری یافتہ عورت تھی۔ اس کے رنگین آنچلوں کے ساتھ داستانوں کے ٹکڑے اُڑتے تھے۔ وہ مردوں کے حلقے میں کنول کماری کی طرح نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی تھی۔ اسے قلم استعمال کرنے کا سلیقہ آتا تھا اور صنف مخالف سے اپنی بات منوانے کا ڈھنگ بھی خوب آتا تھا۔ سب سے جاندار اس کی مسکراہٹ تھی، جدھر دیکھتی لوگ جھک جاتے تھے۔ وہ اپنی فتح پر نازاں اور اس کے نشے میں مست رہتی تھی۔"(4)

شوبھا کا کہنا تھا کہ عورت کی زندگی اسی میں ہے کہ وہ مرد کے زیر سایہ رہے۔ وہ کمزور ہے، اس میں طاقت نہیں، اسے مرد سے الگ رہ کر سکون نہیں مل سکتا۔ مرد کی طاقت ہی عورت کو سنوار سکتی ہے۔ اس نے ابتدا میں حقوق نسواں کے خلاف لکھنا شروع کیا بعد ازاں براہ راست کنول کماری ٹھاکر کے خلاف لکھنا شروع کر دیا اس پر ذاتیات پر حملے کیے، شاید اس کی ایک وجہ حسد ہو، کیونکہ عورت اپنے سے بہتر عورت کو کم ہی برداشت کر پاتی ہے۔ اس لیے وہ کنول کے ہر قول اور ہر اقدام پر تنقید کرتی ہے۔ اس نے جب خواتین کے نادار گھر کے لیے چندے جمع کرنا شروع کیا تو شوبھا نے اس کی بھی ڈٹ کر مخالفت کی، دوسری طرف کنول کماری نے کبھی شوبھا کو جواب نہ دیا بلکہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے پر یقین رکھتی تھی، وہ کہتی ہے:

"میں شوبھا کی باتوں کا جواب دینا ہتک سمجھتی ہوں۔ بات بھی درست ہے۔ نادار گھر چندے سے چلانا کون سی بڑی ہمت ہے۔ میں سارا جمع شدہ روپیہ حکومت کو واپس کر رہی ہوں۔ اگلے ماہ سے بے نوا عورتوں کا سارا خرچ میں اپنے ذمے لے رہی ہوں۔"(5)

ناول کے اگلے پڑاؤ میں کنول کماری ٹھاکر حقوق نسواں کے جلسے جلوسوں سے الگ ہو کر ہمیں ایک کالج کی پرنسپل کے روپ میں نظر آتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ سماج میں تبدیلی نئی نسل کی تربیت کے ذریعے آسکتی ہے۔ وہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ اپنی طالبات کی شخصیت سازی کرتی نظر آتی ہے، انہیں اعتماد دیتی ہے، انہیں ان کے حقوق کا شعور عطا کرتی ہے۔

ناول میں جمیلہ ہاشمی نے ہندوستانی سماج کی عورت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ناول میں ہندوستانی عورتوں کی زندگی کے المناک پہلوئوں کی عمدگی سے عکاسی کی گئی ہے۔ یہ ناول ہندوستان میں خواتین پر ہونے والے ظلم وستم اور جبر واستبداد کی کہانی ہے۔ ناول کا آغاز ہی رویندر کمار اور کرشنا کی شادی سے ہوتا ہے۔ رویندر برہمن اور کرشنا ویش ہے، ایک تو عورت، دوسری پسند کی شادی کرنے والی اور تیسرے کمتر ذات سے تعلق رکھنی والی، تو یہ شادی ہندوستانی سماج میں کہاں چل سکتی تھی۔ کرشنا کئی سال تو اپنے شوہر کے ظلم وستم برداشت کرتی رہی بالآخر ایک دن تنگ آکر وہ اس کا قتل کر دیتی ہے، اور اسے عمر قید کی سزا ہو جاتی ہے۔ دس سال قید سہنے کے بعد کنول کماری اسے رہا کرانے میں کامیاب ہو جاتی ہے اور اسے اپنے پاس پناہ دیتی ہے۔

ناول کا ایک اور مظلوم کردار راوی کی بہن دینا ہے، جسے شادی کے پانچ سال بعد سسرال والے اس وقت گھر سے نکال دیتے ہیں جب وہ بیمار رہ رہ کر موت کے قریب ہوتی ہے۔ دینا دن رات سسرال کی خدمت کر کے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاتی ہے۔ بھائی بھی اپنی زندگی میں مگن پانچ سال اس کی خبر نہ لی تو سسرال والوں نے لاوارث سمجھ کر خوب تنگ کیا۔ اس کی حالت دیکھ کر بھائی کو بہت دکھ ہوتا ہے وہ اس نازوں پلی اپنی بہن کو یاد کرتا ہے، اور ہڈیوں کے اس پنجرے کو دیکھ دیکھ کر روتا ہے اور دن رات اس کی خدمت کرتا ہے۔ اس کردار کے ذریعے ناول نگار ہندوستانی سماج میں بہو کے مقام کو تنقید کا نشانہ بناتی ہے، اس سماج میں بہو کو ایک کام کرنے والی مشین سمجھا جاتا ہے جس کے اپنی کوئی زندگی، جذبات اور حقوق نہیں۔ دینا موت کے قریب بھی اپنے شوہر اور بچے کے انتظار میں ہے کہ شاید وہ آجائیں۔ لیکن اس کا انتظار جلد ختم ہو جاتا ہے وہ موت کی آغوش میں چلی جاتی ہے۔ اس کی موت پر بھائی کہتا ہے:

"میں پوچھتا ہوں اس ایک زندگی نے اس کے ساتھ کیا وفا کی؟ دنیا نے کیا گناہ کیا تھا۔ بھگوان یا ہماری ساری زندگی کی ساری بنیاد ہی سرے سے غلط ہے۔ ہمارے رواج، ہماری اقدار، ہمارا معاشرہ، غلطی کس میں ہے؟ کون جانتا ہے؟"(6)

کنول کی بھابھی ششما ہندوستان میں بیوائوں کی نمائندہ ہے۔ ششما ایک خوبصورت نوجوان دوشیزہ تھی۔ شادی کے بعد اسے بیٹا پیدا ہوا۔ سارا گھر بار اس کے ناز نخرے اٹھاتا، لیکن کچھ عرصے بعد کنول کے بھائی کا انتقال ہو گیا اور ششما بیوہ ہو گئی، اس کے کچھ عرصے بعد اس کے بیٹے کا انتقال ہو گیا تو سب اسے منحوس کہنے لگے خود کنول کی ماں بھی، رنگ، خوشیاں، ہنسی سب اس پر حرام ہو گئے، اس کی زندگی موت سے بدتر ہو گئی، بالآخر اس نے اس ذلت سے تنگ آکر خودکشی کرلی۔ اس کی موت پر کنول کہتی ہے:

"مجھے کوئی بتائے گا ان کا قصور کتنا تھا؟ کون خود سے چاہتا ہے کہ اپنے گھر میں آگ لگائے؟ بھیا کو بخار نے مارا تھا، بھابھی نے تو نہیں۔ شنو کو بیماری نے مارا تھا بھابھی تو نہیں چاہتی تھی کہ اس کا چمپا کے پھول کی طرح کا بچہ اس سے جدا ہو جائے۔ کون اپنے سے برباد ہوتا ہے۔ پر دنیا کتنی ظالم ہے۔ ماں کا بھی قصور نہیں، ہمارے ہاں کے رواج ہی ایسے ہیں۔ جب بھی یاد کرتی ہوں میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔"(7)

یہ ہندوستانی معاشرے میں غریب یا متوسط طبقے میں عورت کے استحصال کی داستانیں ہیں۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ متمول اور پڑھے لکھے اور نام نہاد روشن خیال طبقے میں بھی حالات اس سے مختلف نہیں۔ ناول کا ایک کردار رادھے کرشن مغرب کا تعلیم یافتہ اور خواتین کی آزادی کا زبردست حمایتی تھا۔ ناول میں اس کا تعارف یوں کرایا جاتا ہے:

"اس کا طرز زندگی مشرقی اور نظریے مغربی تھے۔ اس نے ہمیشہ کنول کماری ٹھاکر کی اصلاحات کی حمایت کی ہے۔ وہ عورتوں کی آزادی کا زبردست حامی اور ہر میدان میں عورت کی عزت کو بڑھانے، اس کے کندھوں پر آدھی آزادی کا بوجھ رکھنے کو تیار تھا۔ وہ ہمیشہ یورپ کے ملکوں وہاں کے باشندوں کی مثالیں دیا کرتا تھا۔ اس کا موضوع سخن ہمیشہ عورت رہا ہے۔ چاہے وہ مغرب کی ہو، مشرق کی عورت ہو، عورت کی تعلیم ہو یا عورت کی ترقی، چاہے کو کنول کماری ٹھاکر ہو یا شوبھا بینر جی۔"(8)

وہ اپنی اکلوتی بیٹی میرا کے ساتھ ایک محل نما گھر میں رہتا ہے۔ اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتا اسے ہر آسائش دیتا ہے، تعلیم و تربیت کرتا ہے۔ ایک دن اس بیٹی بھاگ گئی شہر بھر میں بہت شور مچا، رسوائی ہوئی لوگوں نے کہا جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ دراصل اس کی بیٹی میرا اپنے موسیقی کے استاد سے محبت کرنے لگتی ہے، کرشن کو علم ہوتا ہے تو وہ میرا کو جمنا کنارے لے جاتا ہے، اس کا گلا دبا کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے جمنا میں بہا دیتا ہے۔ لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے کہ میرا بھاگ گئی، وہ خود بھی اس کی تردید نہیں کرتا، یوں نازوں پلی اکلوتی، محبوب بیٹی کو مارنے کے بعد کرشن کمار خود کو کمرے میں بند کر لیتا ہے۔ وہ کنول کماری کو ملنے کے لیے بلاتا ہے لیکن وہ خود نہیں جاتی بلکہ راوی کو اس کے پاس بھیجتی ہے۔ وہ اس وجیہہ، خوش شکل اور امیر کرشن کی حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوتا ہے، کرشن پر ایک دم بڑھاپا اور نقاہت حملہ کر دیتے ہیں اور وہ مرنے کے قریب ہوتا ہے، وہ اپنے جرم کا اعتراف خود کرتا ہے:

"ہمارے ہاں کے جھوٹے رواجوں اور عزت کے جھوٹے پیمانوں کی بھینٹ میرا ہو گئی۔ میں اسے دیوانگی کی حد تک چاہتا تھا۔ میں نے بھی اپنے مرتبہ پدری سے اتر کر اس سے ملنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ اسے زندگی کی سب ضروریات میسر ہیں۔۔۔ قصور میرا ہے کہ میں نے ہی اس کو اچھی اور بری راہ میں تمیز نہ بتائی۔ میں نے ہی اسے کبھی صحیح راہ نہیں سجھائی، خود بھٹکا ہوں اسے کیا سمجھاتا۔"(9)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

اب وہ اپنی تمام جائیداد خواتین کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنا چاہتا ہے، اس لیے وہ اسے کنول کماری کے نام کر دیتا ہے۔ کنول اس کی جائیداد قبول کر لیتی ہے لیکن اس کی موت کے بعد جائیداد کے کئی وارث پیدا ہو جاتے ہیں، انہوں نے جائیداد کے لیے مقدمے بازی بھی کی۔ کنول کماری نے ساری دولت سرکار کو دے دی۔ اس کا خیال تھا کہ کام کرنے کے لیے دولت سے زیادہ ہمت اور محنت درکار ہوتی ہے۔

کنول کماری ٹھاکر بار بار سوال اٹھاتی دکھائی دیتی ہے، کبھی ریت راجوں پر، کبھی مذہب پر، کبھی عقائد پر، کبھی نظریات پر۔ دراصل وہ عورت کی خستہ حالت دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے۔ وہ روشنی کی تلاش میں ہے۔ جب اسے روشنی سجھائی نہیں دیتی تو پھر سوال کرتی ہے:

"دنیا، کرشنا، نیرا۔ کیا عورت کا وجود ہی ہمارے معاشرے میں ایک ناسور ہے۔ عورت جو ہمیشہ رواں دواں ہماری زندگیوں میں انجام میں شریک اور ابتدا میں شامل رہی ہیں، کیا وہ بہن اور بیٹی کی بجائے ایک زہر بن سکتی ہے اور ہمارے گردیہ تلخیاں، غلطی کہاں ہے اور غلطی کیوں ہے۔"(10)

ایک موقع پر وہ مذہب پر سوال اٹھاتے ہوئے کہتی ہے:

"آپ سمجھتے ہیں ہمدردی بجائے خود ایک مذہب نہیں ہے کیا اور جو مذہب مایوس اور بے کس انسانوں کے لیے کوئی احساس نہیں رکھتا، وہ مذہب کہلانے کا مستحق ہے؟"(11)

ایک اور موقع پر وہ خواتین کی نازک حالت پر سوالات اٹھاتے ہوئے کہتی ہے:

"وہ معبود کہاں ہیں جن کو مصریوں کے عہد میں خداؤں کا درجہ دے دیا گیا تھا۔؟ وہ بھگوان کہاں ہے جسے ہندوستانیوں نے اپنے مندروں میں شکتی اور طاقت کا روپ قرار دے دیا؟ کیا سب شکتیاں پتھر ہیں؟ کیا پتھر کے اندر کوئی روشنی نہیں؟ کیا آسمان سے پرے کوئی نہیں رہتا؟(12)

وہ عورت کو ایک مکمل انسانی وجود سمجھتی ہے اس کے مطابق ہی اس کے حقوق و فرائض متعین کرنے کی حامی ہے۔ ایک موقع پر وہ کہتی ہے:

"تم لوگ عورت کو اس لیے ہی کیوں دیکھتے ہو کہ وہ مرد کے لیے زندہ ہے۔ اس کی الگ اپنی کوئی زندگی کیوں نہیں ہے۔ اس کا اپنا ایک الگ وجود ہے۔ تم اس کو دیکھو گے تو بیٹی کی حیثیت سے، بہن بنا کر بیوی اور ماں کی طرح۔ کیا عورت ان حالتوں کے علاوہ ایک عورت نہیں ہے؟ اگر تم ایک مرد بن کر زندہ رہتے اور ترقی کرتے ہو تو کیا عورت بہن بیوی بیٹی کے رشتوں سے بلند ہو کر نہیں رہ سکتی۔ تم نے اپنی عقل کے لیے جو پیمانے بنا لیے ہیں، انہیں عورت کی شرافت، اس کی عزت اور اس کی ہستی ناپنے کے لیے کیوں مقرر کرتے ہو؟"(13)

بقول ڈاکٹر انور پاشا:

"اس ناول کے نمائندہ کردار کنول کماری کی شخصیت کے آئینے میں مصنفہ نے دراصل معاشرتی عروج و زوال کے استعاروں میں عورت کا مردوں سے کمتر ہونے کی دلیل کو رد کر کے ایک آدرش معاشرے کا خواب دیکھا ہے۔"(14)

JAHAN E TAHQEEQ جہانِ تحقیق
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.1, 2024

وہ یورپ میں پانچ برس قیام کرتی ہے اور وہاں رہ کر عورت کی آزادی اور حقوق کو قریب سے دیکھتی ہے، اس کے نزدیک یورپ میں صورتحال کچھ بہتر ہے اس کا کہنا ہے:

"یورپ کی قوموں کا اپنے خدا سے رشتہ ایک عقلی اور دلائلی رشتہ ہے اور ہمارا اپنے پرماتما سے ایک جذباتی اور سطحی رشتہ ہے۔ پر جانے زندگی میں جذبات دیرپا ہوتے ہیں یا عقل اور دلیلیں۔"(15)

ایک اور مقام پر وہ مشرق اور مغرب کا موازنہ کرتے ہوئے کہتی ہے:

"یہ یورپ کی زندہ قوموں کا طریق ہے۔ میری شاما بھی اگر ودھوا ہو جاتی ہیں تو اسے دھتکار دیا جاتا ہے۔ روتھ کی ممی اگر بیوہ ہو جاتی ہے تو مسیح کا پیغام لے کر دنیا کے کناروں پر گھومنے لگتی ہے۔ بتاؤ عورت کا احترام کون کرتا ہے؟ دھتکارنے والا، اسے روشنیوں سے آشنا کرنے والا"(16)

اس کے ساتھ ہی ناول نگار ہندوستان کی ایک اور سوشل ورکر اینگلو انڈین مس جوزف کا ذکر کرتی ہے جو کنول کماری کے جیسے ساری عمر اکیلی اور اپنی نظریات پر قائم رہی۔ اسے مرد کے ساتھ کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ وہ ساری عمر خواتین کے حقوق کی جنگ لڑتی رہی، لیکن اب بڑھاپے میں وہ بہت اکیلی اور اداس تھی ایک دن اس نے کرشنا کو کہا:

"تم لوگوں کی کمزوریاں تمہارے کام آ گئیں اور ہم جو قلعہ اپنے گرد بنایا وہ وہ ریت کا تھا۔ اب قلعہ ڈھے گیا ہے اور بے آسرا ہم اکیلے ہیں۔"(17)

وہ مشرق یا مغرب دونوں کی کھل کی موافقت یا مخالفت نہیں کرتی، بلکہ ان دونوں نظامِ زندگی میں جہاں جہاں عورت کا استحصال ہوتا ہے وہ اس پر تنقید کرتی ہے۔ وہ نہ تو قدامت پرست ہے اور نہ ہی جنونی۔ نہ تنگ نظر ہے اور نہ ہی مادر پدر آزاد۔ وہ ایک متوازن شخصیت کی مالک ہے، وہ ایک ایسے معاشرے کی خواہاں نظر آتی ہے جہاں خواتین کے حقوق پر ڈاکہ نہ ڈالا جائے اور مرد و خواتین دونوں کو معاشرے کی ترقی و خوشحالی کے لیے ناگزیر سمجھتی ہے۔ بقول شبنم آرا:

"کنول کماری ٹھاکر کے ذریعے جدید عورت کا ایک آدرش روپ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔ اگر عورتوں کے حقوق کو غصب نہ کیا جائے، انھیں مناسب آزادی اور مواقع فراہم کیے جائیں تو ایک آئیڈیل معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے۔ ایک ایسا آئیڈیل معاشرہ جس میں عورت بے بس اور لاچار نہ ہو گی بلکہ عورت و مرد دونوں مل کر انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی بہترین صلاحیت کا استعمال کر سکیں گے۔ اسی نصب العین کے حصول کے لیے کنول کماری آئیڈئل بنا کر پیش کیا گیا۔"(18)

ناول کے آخری حصے میں تقسیم ہند کے خون آشام واقعات ہیں۔ جب ہندوستان میں صدیوں سے اکٹھے رہنے والے مسلمان اور ہندو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دکھائی دیتے ہیں۔ اس دیوانگی اور جنونیت میں دونوں مذاہب کی عورتوں پر کس طرح قیامت ٹوٹی، یہ ایک لرزہ خیز داستان ہے۔ تقسیم کے فسادات میں جہاں لڑکیاں اور خواتین گھروں میں محفوظ نہ تھی وہاں کنول کماری کے کالج اور ہاسٹل پر بھی دھاوا بولا گیا، اپنی لڑکیوں کی جان کی حفاظت کرنے اور عزتیں بچاتے ہوئے کنول کماری نے اپنی جان دے دی۔

ناول "تلاش بہاراں" میں خواتین خصوصاہندوستان میں خواتین کی حالت زار اور گوناگوں مسائل کو موضوع بنایا گیاہے۔خواتین کے کمتر سماجی حیثیت، صنفی امتیاز، کم سن لڑکیوں کے لیے دستور زبان بندی، شادی شدہ خواتین کی بدتر حالت زار کو اس ناول کے ذریعے عمدگی سے پیش کیا گیاہے۔کنول کماری ٹھاکر کے ذریعے اس ناول میں عورت معاشرے کے اہم فرد کی حیثیت سے دکھائی دیتی ہے جو کسی بھی طرح مردوں سے کم نہیں، بلکہ بعض معاملات میں وہ مردوں سے برتر نظر آتی ہے۔وہ اس ناول کا مرکزی کردار ہونے کے ساتھ ساتھ اس ناول کی ہیروہیں، ایک آئیڈیل کردار۔جو سماج کی کئی غلط رسوم وروایات پر صدائے احتجاج بلند کرتی ہیں۔

حوالہ جات

1۔ جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں، لاہور، فیروز سنز، 1988، ص 7
2۔ عقیلہ جاوید، اردو ناول میں تانیثیت، ملتان، شعبہ اردو، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ص 231
3۔ جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں، ص 12
4۔ ص 32
5۔ ص 43
6۔ ص 84
7۔ ص 154
8۔ ص 222
9۔ ص 248
10۔ ص 93
11۔ ص 149
12۔ ص 213
13۔ ص 121
14۔ انور پاشا، ہندوپاک میں اردو ناول، نئی دہلی، پیش رو پبلی کیشنز، 1992، ص 50
15۔ جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں، ص 15
16۔ ص 152
17۔ ص 177
18۔ شبنم آرا، تانیثیت کے مباحث اور اُردو ناول، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2008، ص 232